اجتہاد

عہد خلفائے راشدین میں

مفتی محمد مشتاق تجاروی

اجتہاد اسلامی شریعت کی اہم ترین بنیاد ہے۔ اجتہاد ہی کی وجہ سے یہ شریعت ایک دائمی شریعت قرار پاتی ہے۔ اگر اجتہاد کا باب وا نہ ہوتا تو شریعت اسلامیہ تمام زمانوں اور تمام تہذیبوں کی شریعت نہ بن سکتی۔ اجتہاد وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعہ یہ شریعت مختلف احوال وظروف کے مطابق قانون وضع کرتی ہے اور دین کو ہر ایک کے لیے قابل عمل بناتی ہے۔

اجتہاد کی بنیاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد دو قسم کے ہوتے تھے۔ پہلی قسم ان اجتہادات کی تھی جن کا تعلق دینی امور سے تھا۔ اس کی حیثیت سنت کی تھی، شاہ ولی اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے اجتہادات کو وحی کے مرتبہ میں رکھا ہے۔ (۱) اس قسم کے اجتہادات کے لیے یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ کسی نص سے مستنبط کیے جاتے یا کسی مماثل واقعہ پر قیاس کیے جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر مختلف مصالح کے پیش نظر قانون شریعت کھولتے رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بیان فرماتے رہتے تھے۔ [۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات کی دوسری قسم وہ ہے جن کا تعلق دنیا کے امور سے تھا اور وہ تبلیغ ورسالت کے دائرہ کار سے خارج تھے۔ ان معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات کی حیثیت صرف مشورہ کی تھی، اس قسم کے بارے میں شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے:

وثانيهما ماليس من باب تبليغ الرسالة وفيه قوله صلى الله عليه وسلم انما انا بشر اذا امرتكم بشيء من دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشيء من رايي فانما انا بشر وقوله صلى الله عليه وسلم في قصة تابير النخل فاني انما ظننت ظنا ولا تواخذوني بالظن ولكن اذا حدثتكم عن الله شيئا فخذوا به فاني لم اكذب على الله ومنه الطب ومنه باب قوله عليه السلام عليكم بالادهم الاقرح. الخ ۳؎

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق منصب رسالت سے نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں انسان ہوں اگر میں دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اس کو مضبوطی سے تھام لو، لیکن اگر میں اپنی رائے سے فیصلہ دوں تو میں بہرحال انسان ہوں۔ تابیر نخل کے قصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک گمان کیا تھا اس لیے میرے گمان پر نہ جاؤ، لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اس کو لے لو اس لیے کہ میں اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتا"۔ طب نبوی اسی قبیل سے ہے اور گہرے ادھم گھوڑے کو اختیار کرنے کا حکم بھی اسی قبیل سے ہے۔

صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی اجتہاد کیا کرتے تھے، لیکن اس عہد میں ان کے اجتہادات مدینہ کے باہر وقوع پذیر ہوئے تھے۔ چونکہ مدینہ طیبہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ البتہ اجتہاد اور طریقہ اجتہاد کی ابتدا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا جانے لگا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اے معاذ مقدمات کا فیصلہ کیسے کروگے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا۔ کتاب اللہ کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو کیا کروگے۔ انھوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا کہ اگر میری سنت میں بھی نہ ہو تو کیا کروگے، حضرت معاذ نے جواب دیا۔ "اجتهد فيها برائي" (ایسے مسائل میں میں خود اجتہاد کروں گا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی ۴؎

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے مدینہ میں کسی صحابی کے اجتہاد کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اجتہاد کی ساری ذمہ داری اور مسائل کو مشورہ و اجتہاد سے حل کرنے کا ذمہ صحابہ کرام کے کاندھوں پر آن پڑا۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے یہ امکان بھی ختم ہو گیا تھا کہ اب اگر کوئی اجتہادی غلطی سرزد ہوئی تو اس کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

خلافت راشدہ

اجتہاد کی یہ ذمہ داری خلفاء راشدین اور اس عہد کے دیگر جلیل القدر فقہاء نے انجام دی۔ خلفاء راشدین کا زمانہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ۳۰ سال یعنی ۱۱ھ سے ۴۱ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران خلفاء راشدین اور دو اہم مجتہد صحابہ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت نے وفات پائی۔

اگرچہ یہ عہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب ہے۔ اس لیے حالات بھی تقریباً یکساں رہے ہوں گے۔ یوں بھی حالات کی تبدیلی کا عمل سست رو تھا۔ تاہم فتوحات اور اسلامی مملکت کی توسیع نے بعض ایسے مسائل پیدا کیے جن میں اجتہاد ناگزیر تھا۔ البتہ اس اجتہاد کا دائرہ بہت زیادہ وسیع نہ ہو سکا، تاہم اس عہد کا اجتہاد بعد کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی عہد میں اجتہاد کی بنیادیں فراہم ہوئیں جن پر ساری امت کا انحصار ہے اس اعتبار سے خلافت راشدہ کا عہد اجتہاد کے لیے اساسی اور بنیادی ہے۔

اس عہد کے مجتہد

خلافت راشدہ کے عہد میں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ حافظ ابن قیم نے ایسے ایک سو ساٹھ صحابہ کا ذکر کیا ہے جو اس عہد میں فتویٰ دیا کرتے تھے[۵] ان میں سے کثیر الفتاویٰ اصحاب میں ابن قیم نے حضرت عمر، علی، ابن مسعود، عائشہ، زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن عمر کو شمار کرایا ہے[۶] امام محمد بن حسن الشیبانی نے ایسے چھ صحابی کا ذکر کیا ہے جن میں علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، عمر، زید اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم شامل ہیں[۷] شاہ ولی اللہ نے حضرت عمر، علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ چار کا ذکر کر کے لکھا

ہے کہ باقی لوگ نصوص کے مطالب کو تو سمجھتے تھے لیکن ارکان، شرائط، آداب اور سنن میں تفریق نہیں کر سکتے تھے، جہاں احادیث میں تعارض ہوتا یا دلائل میں تقابل ہوتا وہاں دخل نہیں دیتے تھے[۸] حضرت ابوبکر نے اپنے عہد میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت کو فتویٰ دینے کی اجازت دی اور باقی کو منع کر دیا[۹]

خلفاء راشدین کا فقہی اور اجتہادی مقام

خلفاء راشدین کا مقام فقہ و اجتہاد میں بہت بلند تھا وہ ایک طرح سے کار نبوت کی تکمیل کے لیے تھے اور نبوت کے لیے ان کی احتیاج اسی طرح تھی جس طرح انسانی جسم کے لیے اعضاء و جوارح کی ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے "رحمت خداوندی کی تقسیم سے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں لکھ دیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سرانجام دینے سے قبل ہی دنیا سے تشریف لے گئے تو اب ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اصالۃً یا نیابۃً ان چیزوں کو خلفاء کے ہاتھ سے پورا کرایا اور حقیقت میں یہ تمام کارنامے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کہلائیں گے اور خلفاء پیغمبر کے اعضاء و جوارح کی طرح ہوں گے۔[۱۰]

انفرادی طور پر بھی خلفاء اربعہ کا مقام بہت بلند تھا حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان اللہ یکرہ فوق سمائہ	اللہ تعالیٰ اپنے آسمان پر اس بات
ان یخطأ ابوبکر[۱۱]	کو پسند نہیں فرماتا کہ ابوبکر سے غلطی سرزد ہو۔

ایک روایت ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا پھر آنا۔ اس عورت نے کہا کہ اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو؟ یعنی آپ کا وصال ہو جائے تو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تو پھر ابوبکر کے پاس آنا[۱۲]

حضرت عمر کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ شان محتاج تعارف نہیں ہے۔ قرآن کریم کی چند آیات حضرت عمر کی خواہش اور ان کے مشوروں کے مطابق نازل ہوئیں۔ روایت ہے "لوکان بعدی نبیا لکان عمر"[۱۳] (اگر میرے بعد نبی ہوتے تو عمر نبی ہوتے) یہ روایت ہو سکتا ہے کہ درایۃً صحت کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ ہو تاہم معناً یہ درست ہے۔ صحیح مسلم میں

ایک روایت اس طرح ہے۔

عن عائشة عن النبی	حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان	صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ پہلی امتوں
یقول قد کان فی الامم	میں مُحَدَّث (وہ جن سے پردۂ غیب سے
قبلکم محدثون فان یکن فی	کلام ہوتا ہو) ہوا کرتے تھے۔ اگر میری
امتی منہم احد فان عمر	امت میں کوئی محدث ہوگا تو عمر ہوں گے
بن الخطاب منہم قال ابن	ابن وہب نے محدث کا مطلب یہ
وھب فی تفسیر محدثون	بتایا کہ اس سے وہ افراد مراد ہیں جن
ملہمون [۱]	پر الہام ہوتا ہو۔

حضرت عثمانؓ کی مجتہدانہ شان اگرچہ اس پائے کی نہیں ہے تاہم مناسک حج میں ان کا پایہ بلند ہے۔ حضرت علیؓ بڑے فقیہ ہیں۔ حدیث میں ہے انا مدینة العلم وعلی بابها۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) ایک حدیث میں ہے واقضاهم علی۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انت غلام معلم (تم ایک سمجھ دار نوجوان ہو) حضرت زید بن ثابت کے فقہی مقام میں بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

خلافت راشدہ کے ساتھ مخصوص چند اہم فقہاء یہ تھے۔ ان کے علاوہ بھی بعض اصحاب فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔ خود حضرت عائشہؓ اس عہد میں بھی مرجع خلائق تھیں غرض فقہاء و علماء کا جیسا اجتماع عہد خلافت راشدہ میں تھا۔ اس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں معدوم ہے۔

خلفاء راشدین کے عہد میں مصادر شریعت

خلفاء راشدین کے عہد میں مصادر شریعت تین تھے۔

۱۔ کتاب اللہ۔

۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ اجتہاد

اول الذکر دو مصادر کو بنیادی اہمیت حاصل تھی اولاً مسئلہ انہی میں تلاش کیا جاتا اور نہ ملنے کی شکل میں آخری چارۂ کار کے طور پر اجتہاد کیا جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ کے طریقۂ اجتہاد کے بارے میں ابن القیم نے لکھا ہے۔

كان ابوبكر الصديق	جب حضرت ابوبکر کے سامنے
اذا ورد عليه حكم نظر في	کوئی مسئلہ آتا تو پہلے کتاب اللہ میں تلاش
كتاب الله تعالى فان وجد	کرتے، اگر اس میں مل جاتا تو اس کے
فيه ما يقضي به فقضى و	مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر کتاب اللہ
ان لم يجد في كتاب الله	میں وہ مسئلہ نہ ہوتا تو سنت رسول اللہ
نظر في سنة رسول الله	صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتے اگر
فان وجد فيها ما يقضي	مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے
به قضى فان اعياه ذلك	اور اگر نہ ملتا تو لوگوں سے دریافت
سأل الناس هل علمتم ان	کرتے کہ کیا اس معاملے میں اللہ کے
رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اس
قضى فيه بكذا او كذا [۱۲ الف]	طرح فیصلہ دیا تھا۔

قرآن وسنت کے معاملہ میں تمام خلفاء کا یہی رویہ رہا۔ حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرام نے بھی اسی کا اتباع کیا۔ اس عہد میں اجتہاد کے دو طریقے رائج تھے۔ (۱) اجتماعی اجتہاد اور (۲) انفرادی اجتہاد۔

اجتماعی اجتہاد

اجماع اور اجتماعی اجتہاد اپنی نوعیت کے اعتبار سے مماثل ہیں۔ تاہم فقہ کے مؤرخین ان دونوں میں ایک لطیف فرق بیان کرتے ہیں جس کی رو سے اجماع، اجتہاد اجتماعی سے برتر مصدر قرار پاتا ہے۔

اجتماعی اجتہاد کا ثبوت اس حدیث سے مستنبط کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بہت سارے مسائل ایسے پیش آسکتے ہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی صراحت نہ ہو تو اس کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ان کے بارے میں قابل اعتماد علماء سے مشورہ کرنا اور کسی ایک فرد کے مشورہ سے کوئی فیصلہ نہ کرنا۔"[۱۶]

لیکن اس کے ابتدائی خطوط ، سرکاری طور پر حضرت ابوبکرؓ نے طے کیے۔ صوافی الامام[۱۷] کے بارے میں ان کے غور کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کو اس طرح کا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا جس میں اہل الرائے والفقہ کی رائے کی ضرورت محسوس ہوتی تو انصار و مہاجرین خاص طور پر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت کو بلاتے اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کرتے۔[۱۸]

قاضی شریح کے نام حضرت عمرؓ کے خط سے بھی اجتماعی اجتہاد کی ایک شکل مترشح ہوتی ہے۔ اس میں ہے" اگر کسی مسئلہ میں خود اجتہاد نہ کرو تو اپنے سے بہتر اہل علم کو اپنا رہنما بناؤ بشرطیکہ ان لوگوں کے سامنے بھی ایسے حضرات کا اجتہاد ہو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء و اصحاب سے براہِ راست فیضان حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مذکورۃ الصدر اصحاب کے بعد وہ حضرات بہتر ہیں جو تمہارے معاصر ہیں ان دو طرح کے لوگوں میں جو اہل علم تمہارے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ہوں ان کی ترجیح کا مدار تمہاری رائے پر ہوگا۔[۱۹]

انفرادی اجتہاد

درپیش مسائل میں اگر کوئی نص نہ مل سکے تو محض اپنی رائے سے مسئلہ حل کرنے کی حوصلہ افزائی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو اس طرح کی صریح ہدایات دی گئیں۔ موخرالذکر کو جب یمن کا عامل بنا کر بھیجا گیا۔ اس وقت کی گفتگو کا آخری حصہ یہ ہے۔

اگر کسی مسئلہ کی وضاحت سنت میں بھی نہ ہو تو کیا کرو گے۔ حضرت معاذ نے جواب دیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور حتی الوسع کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے رسول کو پسندیدہ بات کہنے کی توفیق نصیب فرمائی"۔[۲۰]

تاہم کبار صحابہ کرام اپنی رائے دینے سے احتراز کرتے تھے۔ یہ دراصل ان کی غایت احتیاط تھی۔ اپنی رائے دینے کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ہے۔

ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی	کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کون
ان کنت قلت فی کتاب اللہ	سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی اگر میں
برای[۲۱]	کتاب اللہ میں اپنی رائے استعمال کروں۔

حضرت عمر اور حضرت علی نیز دیگر صحابہ سے بھی اس طرح کے اقوال منسوب ہیں۔ جن سے اپنی رائے دینے میں ان کے حزم و احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے باوجود چونکہ اجتہاد کرنے اور اجتہاد کے لیے راہ متعین کرنا بھی ان اصحاب کی ایک اہم ذمہ داری تھی۔ اس لیے ذاتی رائے بھی دی اور آزادانہ اجتہاد بھی کیا ان کی اس ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے۔

> "ابوبکر صدیق ؓ کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ امت کے لیے ایسے قواعد مرتب فرمادیں جن پر چل کر مسائل اجتہادیہ کو حل فرماسکیں"[۲۲]

اسی لیے جب تلاش بسیار کے بعد اور اجتماعی مشورہ سے کوئی بات طے نہ ہو پاتی تو اس میں اپنی انفرادی رائے بھی دیا کرتے تھے لیکن اس میں بھی غایت درجہ احتیاط کو ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ کلالہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا۔

اقول فیہا برائی۔ فان یکن	میں اس کو اپنی رائے سے کہہ رہا
صوابًا فمن اللہ وان یکن	ہوں۔ اگر صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے
خطأً فمنّی ومن الشیطان[۲۳]	ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان
	کی طرف سے ہے۔

اسی طرح کے اقوال سیدنا عمر اور دیگر صحابہ سے بھی مروی ہیں حضرت ابن مسعود ؓ نے ایک مسئلہ میں فتویٰ دیتے ہوئے کہا "میں اپنی رائے سے کہتا ہوں۔ اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے۔ نیز اللہ اس کا رسول ؐ اس سے بری ہیں[۲۴] بعد کے مجتہدین میں متقدمین خاص طور پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی آراء کا ایک خاص مقام پایا جاتا تھا۔ اور اس میں درجہ بندی بھی تھی۔ چنانچہ حضرت عثمان نے حضرت عمر سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا " اگر ہم آپ کی اتباع کریں تب بھی ہمارے لیے صحیح ہے اور اگر آپ کے پیش رو کی اتباع کریں تو زیادہ بہتر ہے[۲۵] حضرت علی کے علاوہ بھی دیگر صحابہ حضرت ابوبکر ؓ کی آراء کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔

صحابہ کرام کا طریق اجتہاد

صحابہ کرام بالعموم چار طریقوں سے اجتہاد کرتے تھے۔

۱۔ ظاہر نص سے احکام اخذ کرتے۔

۲۔ نص کی تفہیم سے کوئی علت اخذ کرتے اور اس نص کے مطابق فیصلہ دیتے تھے۔[۲۴]

۳۔ مصالح مرسلہ، استصلاح یا استحسان اور سد ذرائع وغیرہ کے ذریعہ احکام کے فیصلے کرتے۔

۴۔ اشباہ و نظائر پر نئے مسائل کو قیاس کر کے فیصلہ کرتے تھے۔[۱۵]

اول الذکر کا استعمال سب سے زیادہ تھا۔ صحابہ کرام کے بیشتر فتاویٰ ظاہر نص کے مطابق ہیں اس کی مثال دینے کی ضرورت نہیں۔

ثانی الذکر طریقہ کی مثال میں دادا کی میراث سے متعلق حضرت ابوبکر کے فیصلے کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں حضرت ابوبکر بھائیوں کو محجوب سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی بھی یہی رائے تھی جبکہ حضرت علی اور ابن مسعود کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ اس اختلاف کی بنیاد مسئلہ کی علت پر تھی۔ حضرت علی کے نزدیک علت یہ تھی کہ دادا اور بھائی دونوں باپ کے واسطہ سے قرابت دار ہیں۔ چونکہ دونوں کا واسطہ برابر کا ہے۔ اس لیے دونوں وراثت کے حق دار ہوں گے۔ حضرت ابوبکر یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں دادا کو باپ کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ اس لیے وہ وراثت میں بھی باپ کی نیابت کرے گا۔

اسی طرح حضرت عثمان کا مسئلہ ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ حج تمتع جائز نہیں ہے، چونکہ اس کی علت کفار کا خوف تھا سو وہ جاتا رہا۔

مصالح مرسلہ کی مثال میں حضرت عثمان کے اس عمل کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دیت کے معاملے میں یہ سہولت کر دی کہ چاہے تو اونٹ دے دیں اور چاہے تو اونٹ کی جگہ رقم دے دیں۔ اسی طرح حضرت عثمان سے قبل آوارہ اونٹوں کو پکڑا نہیں جاتا تھا بلکہ آزادانہ گھومتے رہتے تھے۔ حضرت عثمان نے یہ فرمان جاری کیا کہ ان کو پکڑ کر یا تو ان کے مالکوں کے حوالے کر دیا جائے یا پھر مالک کو اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔

سد ذرائع کی ایک مثال حضرت عمر کا زانی کی سزا میں سے ایک سال کی جلاوطنی کو موقوف کر دینا ہے۔

استحسان کی ایک مثال ایک واقعہ ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہوا اس کے ورثاء میں شوہر، والدہ، دو سگے بھائی اور دو ماں شریک بھائی ہیں علم میراث کے مطابق سگے بھائی عصبات اور ماں شریک بھائی اصحاب فروض میں شمار ہوتے ہیں۔ اس صورت میں شوہر کو نصف ملے گا۔ ماں کو چھٹا اور ماں شریک بھائیوں کو ثلث مل کر پوری میراث تقسیم ہو جائے گی۔ سگے بھائی محروم ہو جائیں گے چونکہ وہ عصبہ ہیں اور عصبہ کو اصحاب فروض سے بچا ہوا ملتا ہے۔ یہاں کچھ بچا ہی نہیں۔ اس صورت میں تاکہ یہ دونوں بھائی محروم نہ ہوں تمام بھائیوں کو ثلث میں شریک کر دیا۔ تاکہ کوئی وارث محروم نہ رہے۔

آخری قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ اس طریقہ پر خلفاء نے خاص طور پر اعتماد کیا ہے۔ چنانچہ بصرہ کے عامل ابوموسیٰ اشعری کے نام حضرت عمر نے ایک خط میں لکھا ہے۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما ليس فيه قرآن و لا سنة۔ واعرف الاشباه و الامثال ثم قس الامور بعد ذلك اعمد الاجتهاد اقربها الى الله واشبهها بالحق فيما ترى[۴۲]	جن معاملات میں قرآن وسنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں اور وہ تمہارے دل میں کھٹکتے ہیں تو ان کو اچھی طرح سمجھو اور اشباہ وامثال (ملتے جلتے مسائل) سے واقفیت حاصل کرو۔ پھر مسائل کو ان پر قیاس کرو اور پھر جو تمہاری نظر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو اور اس کی مرضی کے زیادہ قریب ہو اس کو اختیار کرو۔

اس طریقہ کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو امیر بنا کر بھیجا تو اصول احکام کے ذیل میں دونوں نے جواب دیا۔

اذا لم نجد الحكم في السنة نقيس الامر بالامر فما كان اقرب الى الحق عملنا به فقال عليه	اگر ہمیں کوئی حکم سنت میں بھی نہ ملا تو ایک معاملے کو دوسرے معاملے پر قیاس کریں گے۔ پھر جو بات اقرب الی الصواب ہوگی۔ اس کے مطابق فیصلہ

السلام اصبتما[۲۹] کریں گے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے درست بات کہی"۔

اس طرح کے قیاس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص احرام باندھ لے اور دشمن کے سدراہ ہوجانے کی وجہ سے ارکان حج ادا نہ کرسکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج دے اور احرام کھول دے اور آئندہ جب کبھی موقع میسر آئے تو اپنے ارادہ کو پورا کرے۔ یہ قیاس صلح حدیبیہ پر ہے۔ ابن مسعود تمام مجبوریوں کو اسی پر قیاس کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر احرام باندھنے کے بعد شدید بیمار ہوجائے تب بھی قربانی کا جانور بھیج کر احرام کھول دے۔ ایک شخص نے ابن مسعود سے پوچھا کہ میں عمرہ کے لیے احرام باندھ چکا ہوں لیکن مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ اب جانے کی طاقت نہیں۔ کیا کروں؟ ابن مسعود نے اسے مذکورہ مسئلہ پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔

اجتہاد کے لیے مختلف آرار کو قلم بند کرنا

صحابہ کرام میں بعض صحابہ کا یہ معمول تھا کہ وہ مختلف مسائل کو لکھ لیا کرتے تھے اور ان پر وقتاً فوقتاً غور وخوض کرتے رہتے تھے۔ اس طرح مختلف آراء جو ان کے ذہن میں آتیں ان کو بھی ضبط تحریر میں لاتے۔ بسا اوقات کوئی حتمی بات طے نہ ہوپاتی لیکن کبھی کبھی کوئی فیصلہ کن بات بھی طے ہوجاتی تھی۔ اس قسم کے صحابہ میں حضرت عمرؓ بھی ہیں۔ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ وہ مختلف مشکل مسائل کو یادداشت کے طور پر لکھ لیا کرتے تھے اور ان پر غور کرتے رہتے تھے۔ ان کے بارے میں وقتاً فوقتاً جو رائے قائم ہوتی اس کو لکھ لیتے اور غور وفکر کے نتیجہ میں اس میں سے بعض رائیں حذف بھی کردیتے تھے۔ چنانچہ پھوپھی کی میراث کے متعلق انھوں نے ایک یادداشت تحریر کی تھی لیکن بعد میں اس کو مٹادیا تھا قسطلانی نے متعدد حوالوں سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمرؓ نے سو مختلف رائیں قائم کی تھیں، بعض مسائل کے متعلق تاحیات ان کی کاوش رہی تاہم کوئی حتمی بات تک ان کی رسائی نہ ہوسکی، مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انھوں نے ایک تحریر لکھی تھی، لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹادیا اور کہا کہ آپ اس کے متعلق خود فیصلہ کیجئے[۳۰]

اجتہاد کی اقسام

خلفائے راشدین کے عہد میں اجتہاد کی بنیادی طور پر تین قسمیں تھیں۔

۱۔ توضیحی اجتہاد: جس میں متعلقہ حدیث کے معنی و مفہوم متعین کر کے مسئلہ کو حل کیا جاتا تھا۔

۲۔ استنباطی اجتہاد: جس میں مزید غور و فکر کر کے حکم کی علت نکالی جاتی۔ پھر اس کی بنیاد پر مسئلہ حل کیا جاتا تھا

۳۔ استصلاحی اجتہاد: روح شریعت اور بندوں کے مصالح پر مشتمل قواعد کلیہ وضع کر کے پھر مسائل کو حل کیا جاتا تھا[۱۲۱]

عہد خلفائے راشدین میں اجتہاد کی صرف یہی تین اقسام تھیں۔ ان کے دائرہ ہی میں بالعموم اجتہاد کیا جاتا تھا۔ ان تینوں اقسام کی مثالیں بالترتیب حسب ذیل ہیں۔

اجتہاد توضیحی

عراق و شام کی فتح کے بعد مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے معاملے میں صحابہ کرام کی دو مختلف رائیں تھیں ایک رائے جس کے حامیوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت بلال بھی شامل تھے یہ تھی کہ تمام اراضی فوجیوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ ان کی دلیل یہ آیت کریمہ تھی۔

واعلموا انما غنمتم	اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت
من شیءٍ فان للہ خمسہ	حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور
وللرسول ولذی القربٰی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے
والیتٰمی والمساکین وابن	اور قرابت داروں کے لیے اور یتیموں
السبیل ان کنتم اٰمنتم باللہ	مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے
(انفال: ۵)	اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت سے استدلال اس طرح کرتے تھے کہ اس میں مال غنیمت کا صرف ایک مصرف یعنی خمس بیان کیا گیا ہے اور بقیہ حصے فوجیوں کے لیے چھوڑ دیئے گئے۔ اس کی مزید تائید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے خیبر، بنی نضیر اور بنی قریظہ کی اراضی کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

دوسری رائے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ اور حضرت معاذ بن جبل وغیرہ کی تھی۔ ان کا استدلال تھا آیت بالا میں صرف خمس کا بیان ہوا ہے اور بقیہ حصے سے خاموشی اختیار کی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ خلافت مفاد عامہ کے پیش نظر چاہے تو اس کو فوجیوں میں تقسیم کر دے جیسا کہ اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکور ہوا اور چاہے تو اس کے اصلی باشندوں کے پاس رہنے دے جیسا کہ خیبر کی زمینوں کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اصل مالکوں کے پاس چھوڑ دیا تھا اور وادی ام القری نیز مکہ کی پوری زمین اس کے اصل باشندوں کے پاس چھوڑ دی تھی۔

دونوں فریق اپنی اپنی رایوں پر جمے رہے اور کئی بار کے صلاح و مشورہ کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر میں حضرت عمرؓ نے مال فیٔ کی تقسیم سے متعلق آیت سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں فیٔ کے پانچ مصارف بیان ہوئے ہیں جن میں بعد کے زمانوں کے آنے والے مسلمان بھی شامل ہیں۔ حضرت عمر کی اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور مذکورہ اراضی فوجیوں میں تقسیم نہیں کی گئی۔

۲۔ وہ حاملہ خاتون جس کا شوہر مر جائے اس کے سلسلہ میں ابن مسعود اور حضرت علی کا اختلاف بھی اس کی ایک مثال ہے۔ ابن مسعود کا فتویٰ تھا کہ اس کی عدت وضع حمل ہے جبکہ حضرت علی کا فتویٰ تھا کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار مہینہ دس دن ہے اور مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ یہ دونوں نص قرآنی سے ثابت ہیں۔ ان میں تطبیق کی شکل یہ ہوگی کہ جو مدت طویل ہو اس کو عدت قرار دیا جائے گا۔

اجتہاد استنباطی

اجتہاد استنباطی کی مثال مانعین زکوٰۃ کے بارے میں حضرت ابوبکر کا عمل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ کے قرب و جوار کی بعض بستیوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا حضرت ابوبکر نے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت عمر نے اعتراض کیا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ان پر حملہ کس طرح روا ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے یہ آیت پڑھی فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم۔ اس آیت میں زکوٰۃ اور نماز دونوں

کو فرضیت میں یکساں قرار دیا ہے، اس لیے حضرت ابوبکر نے کہا کہ "خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کی کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔

اجتہاد استصلاحی

۱۔ اس کی مثال میں یہ واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے: "مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تھی جس پر اہلِ مدینہ کی ملکیت تھی۔ حضرت عمر نے مصلحت عامہ کے پیش نظر اس کو بلا معاوضہ حکومت کی تحویل میں لے لیا۔ اس واقعہ پر ایک بدوی نے اعتراض کیا کہ اے امیر المومنین ہم نے اس کے لیے جاہلیت میں جنگیں لڑی ہیں اور اس پر اسلام لائے ہیں۔ آپ ہمارے اوپر اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا" مال اللہ کا ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں پس کیا میں ایسا نہ کروں۔"

۲۔ ایک مطلقہ عورت نے عدت پوری ہونے سے قبل ہی نکاح کر لیا تھا حضرت عمر نے اس کے موجودہ شوہر کو چند کوڑوں کی سزا دے کر علیحدگی کروا دی اور فرمایا کہ جو عورت عدت گذرنے سے قبل نکاح کر لے اور اس سے قربت بھی ہو جائے تو وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ لیکن حضرت علی کے نزدیک پہلے شوہر کی عدت گذر جانے کے بعد وہ شخص اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت عمر نے مصالح عامہ کے پیش نظر فتویٰ دیا تھا جبکہ حضرت علی نے قاعدہ کے مطابق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھجور کی شاخ سے چالیس ضربیں لگوائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جوتوں سے بھی پٹوایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں بھی یہی دستور رہا پھر عہد فاروقی میں اس کو بڑھا کر اسّی کوڑے کر دیا گیا۔ لیکن حضرت عثمان نے اپنے عہد میں ولید کو چالیس ضربیں ہی لگوائیں اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر نے یہی کیا جبکہ حضرت عمر نے اسّی کوڑے لگوائے۔

حضرت عمر نے بعض اوقات شراب کی سزا کے طور پر سر منڈوایا اور بعض عہدیداروں کو سبکدوش بھی کیا۔

حضرت علیؓ نے چالیسؓ اوراسیؓ کوڑوں کی دونوں سزائیں دیں ۔حضرت سعد بن ابی وقاص نے شرابی کو قید کیا وغیرہ۔

ان مثالوں کی روشنی میں صحابہ کرام کے اجتہادی طریقہ کار کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ شراب کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ان حضرات کے نزدیک منصوص سزا نہیں تھی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت کے مطابق کبھی شرابی کو مضروب کرایا اور کبھی ذلیل۔ اس نکتہ کو سامنے رکھ کر ان حضرات نے حسب موقع مختلف سزائیں دیں۔

خلفاء راشدین کے عہد زریں میں اجتہاد کے طریقہ کار اور اس کی اقسام کا یہ ایک اجمالی تعارف ہے۔ اس سے فقہ کے ابتدائی عہد میں اجتہاد کی شکل واضح ہوتی ہے۔ یہ دراصل وہ ابتدائی خطوط کار تھے جو فیض یافتگان دربار رسالت کے ذریعہ طے کیے گئے اور جن پر آئندہ اسلامی تعلیمات کا مدار قائم ہونا تھا۔

حواشی ومراجع

۱ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ۔ رشیدیہ۔ ۱۳۵۵۔ ص ۱/۱۲۸

۲ ایضاً ۳ ایضاً

۴ شاہ ولی اللہ: فقہ عمر۔ اردو ترجمہ۔ طبع دہلی (مسند دارمی)

۵ ابن القیم الجوزی: اعلام الموقعین۔ دارالفکر، بیروت، طبع دوم ۱۹۷۷ ص ۱/۱۱

۶ ایضاً

۷ محمد بن حسن الشیبانی: کتاب الآثار

۸ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱/۱۳۲

۹ ابن سعد الطبقات الکبریٰ ق ۲۔ ج ۲ ص ۱۰۲

۱۰ شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (مقصد اول ص ۱۰)

۱۱ ابن حجر: اصابہ فی احوال الصحابۃ ص ۲/۸۳۲

۱۲ صحیح بخاری۔ طبع دیوبند ص ۱/۵۱۷۔ امام مسلم کی روایت میں ہے کہ ابی کی مراد موت سے تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم، طبع انصاری دہلی ص ۲/۲۷۳

۱۳ھ حاکم: مستدرک: ۱۲۵/۳
۱۴ھ احمد بن حنبل: مسند ۱/۸۳۔ حاکم ۱۳۵/۳
۱۴الفھ اعلام الموقعین ص ۱/ ۶۲ ۱۵ھ ایضاً
۱۶ھ نور الدین الہیثمی نے اپنی کتاب مجمع الزوائد طبع سوم۔ دارالکتاب العربی بیروت ۱۹۸۲ ص ۱/۱۷۸ پر طبرانی کی الاوسط کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔
۱۷ھ صوافی الامر۔ ان مسائل کو کہا جاتا ہے جن میں کوئی نص موجود نہ ہو اور سوائے اجتہاد کے کوئی سبیل نہ ہو۔ (اعلام الموقعین ۱/ ۱۷۷)
۱۸ھ طبقات، ق قسم ثانی جزء ثانی۔ باب اہل العلم والفتون من اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
۱۹ھ فقہ عمر ص ۲۷
۲۰ھ مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء والخوف
۲۱ھ طبقات ابن سعد قسم اول۔ جلد سوم ص ۲۶
۲۲ھ ازالۃ الخفاء۔ مقصد دوم۔ ص ۳۱۔ ماثر جلیلہ ابوبکر صدیق
۲۳ھ اعلام الموقعین ص ۱/ ۷۹
۲۴ھ اعلام الموقعین
۲۵ھ منہاج الاصول۔ بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۱۶۹
۲۶ھ تاریخ التشریع الاسلامی ص ۷۷ ____________ مصالح مرسلہ اور استصلاح دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ضرورت عامہ کے پیش نظر مسائل کا استنباط کرنا۔
استحسان کا مطلب یہ ہے کہ دو غیر منصوص مسائل میں کسی دلیل یا خوبی کی بنا پر کسی ایک مسئلہ کو ترجیح دینا۔
سدذرائع۔ یعنی ایسے مسائل جو فی نفسہٖ جائز ہوں لیکن وہ ناجائز کاموں کے وسیلے بن رہے ہوں تو ان پر پابندی عائد کرنا۔

۲۷ھ فقہ عمر ص ۳۱
۲۸ھ اعلام الموقعین ۱/ ۹۹
۲۹ھ اجتہاد کا تاریخی پس منظر ۳۔۲۲
۳۰ھ الفاروق ص ۵۱۔۲۱۴
۳۱ھ اجتہاد کا تاریخی پس منظر ص ۲۲